قائدِ اعظمؒ

ہندوستان میں سب سے پہلی مرتبہ انگریزوں کی حکومت نے تصورِ جمہوریت کو روشناس کیا۔ ہندوستان کی تاریخ کا متعلم جانتا ہے کہ بادشاہت دنیا میں کہیں اور جگہ اس شدت و اقتدار کے ساتھ قائم نہیں رہی جتنی ہندوستان میں تھی۔ ہندو مذہب کی کتابیں بادشاہ کی عظمت و مرتبت کا پتہ دیتی ہیں۔ فراعنۂ مصر نے برخود غلط خدائی کا دعویٰ کیا تھا، لیکن ہندوستان کے راجہ آج تک خدا کی حیثیت سے پوجے جا رہے ہیں۔ ہندو مذہب نے بادشاہ کو خدا کا مظہر قرار دیا۔ اس کی اطاعت خدائی احکام کی تعمیل کے برابر تصور کی گئی اور اس کا انکار یا اس سے سرتابی دنیا کا سب سے بڑا گناہ سمجھی جاتی رہی۔ یہ تصورات صرف ہندو راجاؤں کے ساتھ قائم نہیں رہے بلکہ اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد خود مسلمان بادشاہوں کی نسبت، سارے مذہبی اختلافات کے باوجود، ہندو رعایا کا تصور یہی رہا۔ لیکن جب انگریزوں نے ہندوستان میں جمہوریت کو روشناس کیا تو ہندوستان کے حالات بدل چکے تھے۔ تقریباً ایک ہزار سال کی اسلامی حکومت نے ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن کی جڑیں مضبوط کر دی تھیں اور یہ ملک آریائی باشندوں کی طرح ہندوستانی مسلمانوں کا بھی مستقل وطن بن گیا تھا اور ہندوستان کا کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں مسلمانوں کی قابلِ لحاظ آبادی موجود نہ ہو۔ یہ ممکن نہ تھا کہ مسلمانوں کو پھر سے ڈھکیل کر ہندوستان سے باہر نکالا جائے یا بدھ مت کی طرح اسلام کو ہندوستان سے خارج کیا جائے اس لیے انگریزوں کی جمہوریت ہندو سیاسی زعما کے نزدیک پھر سے ہندو اقتدار کو زندہ کرنے کا ایک اچھا ذریعہ سمجھی گئی اور انھوں نے اس کا دل سے خیر مقدم کیا، اور جو تدریجی اصلاحات ہندوستان میں جاری ہوئیں ان میں پورے جوش کے ساتھ حصہ لینا شروع کیا۔

مسلمان اپنی حکومت کو کھو کر نہ صرف مال و دولت کے اعتبار سے مفلس ہو چکے تھے بلکہ ان کے ذہنی انتشار نے فکر و عمل کے لحاظ سے بھی ان کو مفلس بنا دیا تھا۔ جمہوری تحریک کے سیلاب

ہیں وہ بھی دوسروں کے ساتھ بہنے لگے اور اسی نقطۂ نظر سے اپنے مستقبل کا جائزہ لینے لگے۔ ۱۹۳۵ء تک ہندوستان کی ساری سیاسی تحریک اسی رجحان کے نتائج و عواقب ہیں۔ جمہوریت مسلمان کے لیے یوں بھی قابلِ توجہ ہوگئی کہ اسلامی نظامِ حکومت کے بگڑ جانے کے بعد سلاطین کے استبداد نے مسلمانوں کو بادشاہت سے ایک حد تک بیزار کر دیا تھا اور وہ پھر اپنی تاریخ کے اس دور کو دیکھنا چاہتے تھے جب کہ عوام کو پوری آزادی کے ساتھ حقِ رائے دہی حاصل تھا اور خلیفۃ الرسول بھی ایک خمیدہ کمر و لرزہ براندام بڑھیا کی حق بات ماننے پر اور ایک کالے کلوٹے حبشی غلام کو منبرِ خلافت سے جواب دینے پر مجبور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے ملک کے خاص حالات کا جائزہ لیے بغیر ہندوستانی مسلمانوں نے بھی جمہوری نظامِ حکومت کا خیر مقدم کیا اور اس کا ساتھ دینے لگے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان کی نگاہِ دور بیں نے ہندوستان کے خاص حالات کا جائزہ لیا اور دنیا کے عام تصور کے خلاف نہایت جرأت کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ جمہوریت ہندوستان کے لیے موزوں نظامِ حکومت نہیں ہے۔

تصورِ جمہوریت کا لازمی نتیجہ اکثریت و اقلیت کا سوال تھا۔ جہاں ایک مذہب، ایک نسل، ایک زبان اور ایک تہذیب رکھنے والی قومیں آباد ہوتی ہیں وہاں جماعت بندی سیاسی اختلافات کی بنیاد پر ہوتی ہے لیکن ہندوستان ایک ایسا ملک تھا جہاں ایک سے زیادہ نسلی، مذہبی اور تہذیبی اختلاف رکھنے والی جماعتیں موجود تھیں۔ اور اسی لیے جمہوریت کے روشناس ہوتے ہی یہاں سیاست کے بجائے مذہب کی بنیاد پر جماعت بندی شروع ہوئی اور اسی نقطۂ نظر سے اکثریت و اقلیت کے سوال پر غور کیا جانے لگا۔ اور ہندو زعما نے نہایت تدبر و دُور اندیشی کے ساتھ مسلمانوں کے ذہن و فکر کو مسموم کرنا شروع کیا کہ وہ ایک اقلیت ہیں، اور بدقسمتی سے خود مسلمان زعما نے تعداد کی کثرت و قلت کو معیارِ تفوق و کمتری قرار دے کر اپنی گتھیوں کا حل تلاش کرنا شروع کیا۔ اسی کا نتیجہ ۱۹۱۶ء کی ہندو مسلم مفاہمت تھی۔ اسی نے ۱۹۲۶ء کی آل پارٹیز کانفرنس کو ناکام کیا اور اسی کے آخری نقوش کمیونل اوارڈ کی صورت میں قانونِ حکومتِ ہند ۱۹۳۵ء

پر مرتسم ہوئے۔ قانونِ مذکور کے نفاذ سے ۱۹۳۷ء میں جو صوبائی حکومتیں قائم ہوئیں ان کے تقریباً تین سالہ دَور نے ثابت کر دیا کہ یہ سارے نقوش پانی کی سطح پر بنے تھے۔

مسلمان چونکا ہوا اور قائدِ اعظم نے اپنی قیادت کا دوسری مرتبہ کمال دکھایا جب انھوں نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ دس کروڑ کی تعداد میں بسنے والی ایک جماعت جو مذہبی اور ثقافتی امتیازات کی حامل ہے، ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک مستقل قوم ہے۔ مالا بار ہل سے اُٹھنے والے کلیم سیاست کے اس نعرے نے ورد ھائی سامریت کے سارے طلسم کو توڑ دیا اور مسلمان کی آنکھ پر پڑے ہوئے پردے یکبارگی چاک ہو گئے۔

کوئی قوم ذہنی انقلاب کے بغیر عملی انقلاب کی منزل تک پہنچ نہیں سکتی۔ انگریز کی عطا کی ہوئی اس جمہوریت سے بغاوت اور ایک مستقل قوم ہونے کے دعوے نے مسلمان کی فکر کے زاویئے درست کر دیئے اور اب وقت آگیا تھا کہ ایک منزلِ مقصود اس کے سامنے رکھی جائے۔ سیرتِ نبویؐ کی اصطلاحوں میں اگر گفتگو کی جائے تو بلا تشبیہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان ہندوستان میں ایک مکّی دَور سے گزر رہا تھا اور اب اس کے لیے ایک ایسے مدینہ کی ضرورت تھی جہاں اپنے قدم جما کر وہ بدر و اُحد کی تیاری کر سکے۔ اور خدائے قدیر سے "سلطان نصیر" کا امیدوار ہو سکے۔

محمد علی جناح نے آغوشِ مغرب میں تربیت پائی تھی۔ ان کے دماغ کا ایک ایک گوشہ فکرِ مغرب کا مرہونِ منت تھا۔ اور ان کے جسم کی ایک ایک پور تمدنِ مغرب کی آئینہ دار تھی لیکن ان کا نام محمدؐ اور علیؓ سے نسبت رکھتا تھا اس لیے ان کا دل فکرِ محمدؐ اور عزمِ علیؓ کے پرتو سے خالی نہ تھا۔ اعتباری اور اصطلاحی حیثیت سے چاہے انھوں نے تعلیماتِ محمدیؐ کا کوئی درس نہ لیا ہو لیکن ان کے قلب کی گہرائیاں روحِ تعلیماتِ محمدیؐ سے محروم نہ تھیں۔ وہ غیر شعوری یا نیم شعوری طور پر اسی طرف گئے جدھر ایک اصطلاحی عالمِ دین شعوری طور پر جا سکتا، اور اعلان کیا کہ ہر قوم اپنے لیے ایک مستقر چاہتی ہے اور اپنی تہذیب و تمدن کو اس وقت تک ترقی نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ کسی جگہ اپنے اختیارات کو کامل طور پر استعمال کرنے کے قابل نہ ہو۔ اس لیے مسلمان ان علاقوں میں جہاں ان کی عددی اکثریت ہے اپنی ایک آزاد سلطنت چاہتے

ہیں۔یہی بنیاد ہے شمال مغربی اور شمال مشرقی گوشوں میں آزاد اسلامی حکومت کے مطالبہ کی جس کو ہندوؤں نے "پاکستان" کہا اور پھر انہی کو سمجھانے کے لیے انہی کی اصطلاح میں مسلمان بھی پاکستان کہنے لگے۔

خدا کا شکر ہے کہ صدیوں کی تفریق و تشتت کے بعد ہندوستان کے مسلمان پھر ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔ مذہبی اختلافات نے جو گروہ بندیاں پیدا کر دی تھیں وہ ٹوٹ گئیں۔ اور مسلمانوں نے اپنے ایک مدبر امیر کی قیادت میں اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے قائداعظم محمد علی جناح کی صورت میں ہمیں ایک بیدار نا خدا عطا کیا، ایک ایسے نازک وقت میں جب کہ کشتیِ امتِ اسلامی شبِ تار میں ہوائے مخالف اور بحرِ طوفان خیز کے تھپیڑے کھا رہی تھی۔

مجھے قائداعظم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے اور میں اپنے قلب و ضمیر کے کامل اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں ایک ایسے سپہ سالار کے کامل صفات موجود ہیں جو عقل و تدبّر کی اس جنگ میں عساکرِ اسلامیہ کو لڑا سکے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان کے اطراف جمع ہو جائیں۔ اپنے باہمی اختلافات کو رفع کریں اور ان کے احکام و ہدایات کی تعمیل کر کے ان کے ہاتھوں کو مضبوط بنائیں اور منزل کو قریب تر لائیں اور یاد رکھیں کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حیدرآباد دکن

۱۶ شوال ۱۳۶۱ھ